گوشۂ فقہاء

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید محمد قطب الدین حسینی صابریؒ (انڈیا)

نام ونسب: الامام الطحاوی کا نام احمد ہے، والد کا نام محمد اور دادا کا نام مسلمۃ ہے۔ کنیت ابوجعفر، نسبی نسبت الازدی الحجری اور وطنی الطحاوی ہے، سن ولادت باختلاف آراء سنہ ۲۲۹ یا سنہ ۲۳۸ اور وفات بالاتفاق سنہ ۳۲۱ ہجری ہے۔ خاندانی طور پر یہ شافعی تھے لیکن بعض (ایسے) واقعات پیش آئے جن کی وجہ سے خاندانی مسلک کو ترک کر کے انھوں نے حنفی مذہب اختیار کرلیا اور زندگی کا بڑا حصہ حنفی مذہب کی حمایت میں گزارا۔ اس سلسلہ میں ''حدیث،، کے شعبۂ ''متن،، کے مطالب بیان کرنے اور مختلف روایتوں میں تطبیق دینے میں خدا نے ان کو ایسا کمال عطا کیا جس کی نظیر اسلام کی تاریخ میں بمشکل پیش کی جاسکتی ہے۔ اس تخصیصی کارنامہ کے سلسلہ میں ان کی سب سے پہلی تصنیف معانی الآثار اور سب سے آخری تصنیف مشکل الآثار ہے۔ درمیان میں مختلف علوم وفنون کے متعلق اور بھی ضخیم مجلدات میں انھوں نے اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں، جن کا ذکر اپنے مناسب مقام پر کیا جائے گا۔ امام طحاوی کا یہ تو اجمالی تذکرہ تھا، اب میں ان کے حالات پر ذرا تفصیلی طور پر کچھ بحث کرتا ہوں۔

الطحاوی دراصل طحا نامی مصر کے ایک گاؤں کی طرف نسبت ہے، السمعانی انساب میں طحا کے متعلق لکھتے ہیں:

قرية باسفل ارض مصر من الصعيد يعمل فيها الكيزان يقال لها الطحوية من طين احمر (۳۶۸ مطبوعہ جرمنی)

ترجمہ: سرزمین مصر کے نیچے کی جانب چٹیل میدان میں ایک بستی ہے اس میں گیلی لال مٹی سے صراحیاں بنانے کا کام ہوتا ہے جس کو طحویہ کہا جاتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی فتوحات کا دائرہ جب عہد فاروقی میں وسیع ہوا اور اتنا وسیع ہوا کہ چند ہی سالوں میں کسری کے سارے مقبوضات، اور قیصر کی حکومت کا ایک بڑا حصہ ممالک محروسہ اسلامیہ میں داخل ہوگیا، قیصر ہی کی نگرانی میں اس وقت فرعون کی زمین مصر بھی تھی۔ حضرت عمرو بن العاص مشہور صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھ پر مصر فتح

ہوا اور مسلمان جوق در جوق اس ملک میں جا کر بسنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں جتنے نفوس طیبہ نے اس ملک کو اپنا وطن بنایا۔ السیوطی نے اپنی مشہور کتاب ''درر السحابۃ،، میں ان کی تعداد تین سو بتائی ہے۔ اس سے صحابیوں کی اولاد اور دوسرے مسلمانوں کا اندازہ ہوسکتا ہے اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ عہد صحابہ میں جتنے ممالک فتح ہوئے، ان میں اگرچہ چند علاقے ایسے تھے جہاں علم وتہذیب کی کافی روشنی پائی جاتی تھی لیکن اس اعتبار سے مصر کا درجہ سب سے بلند تھا۔ اسی ملک میں مسلمانوں کو اسکندریہ کے مشہور دار العلوم اور اس کے متعلقہ اساتذہ وکتب خانوں کے دیکھنے، ان اساتذہ سے ملنے جلنے اور طور طریقے کے تجربہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ میری بحث بہت طویل ہوجائے گی اگر میں مصر کے قبل الاسلام علمی وتعلیمی حالات کی یہاں تفصیل کروں، بالفعل میرا صرف اتنا اشارہ ہی کافی ہے، مصر کی اس علمی وتعلیمی خصوصیت کا اقتضاء تو یہ تھا کہ مسلمان علوم الاوائل کے مقابلہ میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علوم جدید کی ترتیب وتبویب، تصنیف وتالیف میں جب مشغول ہوئے تو اس کام کے آغاز کا سہرا مصر اور مصری علماء کے سر بندھتا، خصوصا جب ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی تعداد مصر پہونچ کر وہاں توطن پذیر ہوگئی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر جو فقہاء مدینہ کے گویا امام ہیں، ان کے مشہور جانشین اور خلیفہ اور ان کے علم کے راوی حضرت نافع جن کا شمار سلسلۃ الذہب کی سنہری کڑیوں میں کیا جاتا ہے، محض تعلیم وتدریس کے لئے حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ نے ان کا تقرر مصر میں کیا تھا، الیسوطی لکھتے ہیں:

بعثه عمر بن عبد العزیز مصر یعلمهم السنن فاقام بها مدة (ص ۱۱۹ ج ۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو شہر مصر روانہ کیا تاکہ آپ ان کو حدیث شریف کی تعلیم دیں۔ چنانچہ آپ نے وہاں جا کر ایک مدت تک قیام کیا۔

نافع نے ایک مدت تک مصر میں اس علمی خدمت کو انجام دیا اور ان کے حلقہ درس سے بعض ایسے علماء نکلے جن کا شمار ائمہ مجتہدین میں کیا جاسکتا ہے۔ میری مراد حضرت لیث ابن سعد المصری الامام سے ہے جن کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو امام مالک کے ارشد تلامذہ میں تھے، لیکن باوجود استاد ہونے کے امام مالک کے مقابلہ میں لیث بن سعد کے متعلق ان کی منصفانہ رائے یہ تھی کہ:

كان اللیث افقه من مالك الا انه ضیعه اصحابه (حسن المحاضرہ ص ۱۲۰)

ترجمہ: حضرت لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے مگر ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کردیا۔ اس علمی جلالت

قدر کے ساتھ ساتھ لیث مصر کے دولت مندوں میں بھی امتیاز رکھتے تھے۔وہ ایک خاندانی جاگیردار یا زمیندار رئیس تھے،ان کی آمدنی تقریباً سالانہ کئی لاکھ روپیہ سے متجاوز تھی۔علم وامارت دونوں قوتوں نے مصر میں ان کے اقتدار کو اتنا مستحکم کر دیا تھا کہ گو حکومت کے کسی عہدہ پر سرفراز نہ تھے اور قصداً علم کی خدمت کے لئے نوکری کے جھنجھٹوں سے انہوں نے اپنے کو آزاد رکھا تھا لیکن باوجود اس کے

کان نائب مصر وقاضیھامن تحت اوامر اللیث و کان اذارابہ من احدشئی کاتب فیہ فیعزلہ وقدارادالمنصوران یولیہ امارۃمصر فامتنع (حسن المحاضرہ ص ۱۲۱)

ترجمہ:لیث کے احکامات کے تحت مصر کے نائب اور اس کے قاضی تھے اور جب کبھی ان کو کسی کے متعلق کوئی شک وشبہ ہو جاتا تو اس کے بارے میں لکھ کر بھیجتے اور اس کو معزول کر دیتے تھے۔خلیفہ منصور نے ان کو مصر کا حاکم بنانا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔

علم کی خدمات کے سلسلے میں ان کے کارنامے مشہور ہیں،تاریخ کی اکثر کتابوں میں حضرت امام مالک کے ساتھ ان کے دوامی حسن سلوک کے واقعات مشہور ہیں۔اخطیب نے لکھا ہے کہ اپنے حلقہ درس کے طلبہ کے زیادہ تر مصارف کا انتظام یہ خود اپنی ذاتی آمدنی سے کرتے تھے۔اس سے ان کی فراخ چشمی اور ذوق علم کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ موسم سرما میں طلبہ کو جو ناشتہ ان کے یہاں سے ملتا تھا۔اس میں علاوہ دوسری چیزوں کے بھنے ہوئے بادام کا ستو بھی ہوتا تھا۔ان لوگوں کے لئے جو مدعی ہیں کہ مسلمانوں نے اپنے سارے علوم کو دوسری قوموں کے نقش قدم پر چل کر اور ان ہی کو دیکھ دیکھ کر مدون کیا تھا۔

مصر کی قابلِ ترس علمی حالت

یہ واقعہ قابل غور ہے کہ مصر ہی اس زمانہ میں مشرق قریب کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔مسلمانوں کو یہاں رہنے سہنے کا موقع ملا اور بڑے بڑے اہل علم نے یہاں اسلامی علوم کی خدمت کی لیکن باوجود اس کے اسلامی علوم یعنی قرآن،حدیث،فقہ میں سے کسی علم کے متعلق مصر کو سبقت حاصل نہ ہو سکی اور باوجود اتنے ساز وسامان ہونے کے وہ ان علوم میں مدت تک اسلام کے دوسرے علمی مرکزوں کا دست نگر بلکہ ماتحت رہا۔مصر والوں کا اسلامی علوم کے متعلق جو حال رہا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت لیث بن سعد نے مختلف علمی مرکزوں میں گھوم پھر کر بڑی محنت سے زہری،عطا بن ابی رباح وغیرہ جیسے جلیل القدر تابعین کے علوم کو حاصل کیا اور خود مصر میں بھی

نافع مولی ابن عمر سے ان کو بہت کچھ ذخیرہ ہاتھ آیا۔لیث نے اس کے بعد جیسا کہ میں نے عرض کیا اپنی ساری مالی قوت اشاعت علم میں صرف کردی،لیکن پھر بھی امام شافعی کی شہادت ہے کہ ان کے شاگردوں میں کوئی اس قابل تو کیا ہوتا کہ خود کچھ کرتا دھرتا،اتنا بھی ان لوگوں سے نہ ہوسکا کہ لیث کے سرمایہ ہی کو برباد ہونے سے بچالیتے۔

مگر اس کے مقابلے میں (دیکھئے) اسلامی قوانین اور تفریعات کی بنیاد کہاں پڑتی ہے۔ٹھیک اسی جگہ جو بالکلیہ مسلمانوں کی اپنی بنائی ہوئی خاص نوآبادی تھی یعنی کوفہ،جس میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یا عرب کے مختلف قبائل کے فوجی سپاہی تھے یعنی کل کے کل ان ہی لوگوں سے کوفہ آباد ہوا تھا۔جنھیں غیر اقوام کے اہل علم سے تو خیر،شاید عوام سے بھی زیادہ ملنے جلنے کا کم ہی اتفاق ہوتا تھا اور کوفہ کے ساتھ ساتھ دوسرا مقام جہاں ہم اسلامی علوم کی ہل چل کو محسوس کرتے ہیں۔وہ مدینہ منورہ ہے یعنی ان ہی دونوں شہروں میں تقریباً ایک زمانہ میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی تدوین کا کام شروع ہوا۔مدینہ میں بھی یہ کام اس وقت شروع ہوا جب پائے تخت وہاں سے منتقل ہوکر دمشق اور بغداد چلا گیا۔یوں ہی عرب میں غیر اقوام کے لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ کم تھا۔پھر جب مدینہ منورہ نے بجائے سیاسی مرکز ہونے کے مسلمانوں کا صرف ایک مذہبی اور دینی مرکز ہونے کی حیثیت اختیار کرلی تو اس وقت مسلمانوں کے سوا غیر قوموں کے افراد کی اس سے کیا دلچسپی باقی رہ سکتی تھی اور خدا کی طرف سے بات تھی کہ مسلمانوں کی محنتوں اور جانفشانیوں پر خاک ڈالنے کے لئے جو یہ مفروضہ کھڑا کیا جانے والا تھا کہ ارسطو کے ان قلیوں نے علوم الاوائل اور فنون پارینہ ہی کے متعلق نہیں بلکہ اپنے علوم وفنون میں بھی وہ دوسروں کی صرف نقل اتاری ہے حتی کہ اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا قانون رومن لاء اور دستور ایران کو سامنے رکھ کر بنایا گیا ہے لیکن لطیفہ تراشنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اگر یہی واقعہ ہوتا تو اسلامی قانون کی تدوین کی ابتداء بجائے کوفہ اور مدینہ منورہ کے اسکندریہ اور فسطاط بامداین اور بغداد میں ہوتی۔ کچھ نہیں تو صرف ایک بھی تاریخی حقیقت ان ہرزہ سرایوں کی تردید کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔خیر یہ تو ایک تمہیدی ضمنی بات ہوئی تھی۔میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ گو مصر اس عہد میں اگر ساری دنیا کا نہیں تو کم از کم افریقہ ویورپ اور ایشیاء کے ان علاقوں کا جنھیں موجودہ زمانہ میں مشرق قریب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔تمام علوم قدیمہ کا حالانکہ سب سے بڑا مرکز تھا لیکن خود اس سرزمین میں مسلمانوں کے علوم جدید کے متعلق کوئی ایسا باقی رہنے والا قابل ذکر کام ایک مدت تک انجام نہ پاسکا۔لیث بن سعد نے کوشش بھی کی،لیکن کوشش بارآور نہ ہوئی،یہی وجہ ہے کہ مصر دوسروں کی تو کیا رہنمائی کرتا،خود اپنی رہنمائی میں بھی ہمیشہ باہر کے علماء کی آراء کا محتاج

رہا، حالانکہ مصر کے سوا ابتدائی صدیوں میں اسلام کے تمام مرکزی مقامات کے مسلمان خود اپنے قطر کے امام ہی کی عموما پیروی کرتے تھے۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام سب ہی کا یہی حال تھا۔ ان سب کے مقابلہ میں بیچارہ اسکندریہ دار العلوموں اور کتب خانوں والا ایک ایسا بدقسمت ملک تھا جو عموما کسی بیرونی عالم کی اتباع پر مجبور تھا۔ ابتدا اس ملک پر شام کے امام اوزاعی اور مدینہ منورہ کے امام حضرت امام مالک کا اثر رہا۔ لیکن ابن وہب، ابن قاسم ابن الفرات، اشھب، عبداللہ بن الحکم، مالکی مذہب کے ان علماء کا جن میں بعض امام مالک کے براہ راست شاگرد تھے اور بعض بالواسطہ ان لوگوں نے اس ملک پر اپنے علم وفضل کا ایسا سکہ قائم کیا کہ مدت تک پھر کسی دوسرے ائمہ کے خیالات کی اشاعت یہاں نہ ہوسکی، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حنفی فقیہ جو اس ملک میں قاضی بن کر داخل ہوئے وہ اسمٰعیل بن الیسع الکوفی السابری تھے باوجود یہ کہ بخاری ومسلم کے رواۃ میں ہیں لیکن چونکہ **كان يذهب الى قول ابی حنيفه ولم يكن اهل البلد يومئذ يعرفونه** ......ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر چلتے تھے اور ان دنوں شہر والے ان کو جانتے نہیں تھے۔

محض اس اجنبیت کی بناء پر مصری ان سے سخت ناراض ہوئے اور بالآخر حکومت کو جس کا پائے تخت اس وقت بغداد منتقل ہو چکا تھا، لیث بن سعد کے توسط سے مجبور کیا گیا کہ اس حنفی قاضی کو مصر سے واپس بلالیا جائے۔ لیث نے اس سلسلہ میں جو مراسلہ بھیجا تھا السیوطی نے بجنسہ اسے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ **يا امير المومنين انک وليتنا رجلايكيد بسنةرسول الله صلى الله عليه وسلم بين اظهرنا** .... ترجمہ: اے امیر المومنین آپ نے ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتا ہے۔

لیکن اس شکایت کے ساتھ خط کے آخر میں اس کی بھی شہادت ادا کی گئی تھی کہ "**ماعلمنافی الدينار والدراهم الاخيرا**"، یعنی رشوت کے لین دین سے ان کا دامن پاک ہے۔ بہرحال جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ اسمٰعیل بن الیسع یہ مصر کے پہلے حنفی عالم ہیں جنھیں امام لیث کی تحریک سے عہدہ قضاء سے دست بردار ہونا پڑا۔ اس موقع پر ابن خلکان کا یہ بیان قابل ذکر ہے:

رايت فی بعض المجاميع ان الليث كان حنفی المذهب ...... میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ لیث حنفی مذہب پر چلتے تھے۔

مذکورہ بالا مکتوب اگر صحیح ہے تو لیث کا حنفی ہونا عجیب ہے۔ **والدهر آت بالاعاجيب** خیر یہ ایک تاریخی مسئلہ ہے، جس کی تحقیق اپنے مقام میں ہونی چاہئے۔ قاضی اسمٰعیل کے چلے جانے کے بعد پھر مصر میں وہی مالکیوں

کا زور قائم رہا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہم جس زمانہ کے حالات بیان کر رہے ہیں یہ اسلامی حکومت کے شباب کا عہد تھا۔ مسلمانوں کے پاس اگرچہ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کا ایک بڑا ذخیرہ موجود تھا لیکن آئے دن بکثرت ایسے حوادث وواقعات پیش آتے رہتے تھے جن کے لئے ہر دن ایک نئے فقہی جزئیہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ مشہور ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے، اس ضرورت نے ہر ملک میں ایک ایسے گروہ کو پیدا کر دیا تھا جو ان پیش آنے والے حوادث کے متعلق قرآن وحدیث وآثار صحابہ کو پیش نظر رکھ کر قوانین پیدا کرتا رہتا تھا۔ ابتدا میں تو یہی تین چیزیں اساس اور اصول کی حیثیت سے استعمال کی جاتی تھیں لیکن جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا جاتا تھا، ان فقہاء کے مجتہدات بھی ان کے مکتب خیال کے ماننے والے علماء اور ان کے تلامذہ میں ایک اساسی اصل کا درجہ حاصل کر لیتے تھے۔ یوں ہی ہر مقدم کے اقوال ونظریات متاخر کے لئے حجت بن جاتے تھے اور ان تفریعات سے استخراجات کا سلسلہ یوں ہی جاری ہو جاتا تھا بلکہ اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

مصر اور مالکی علماء

جیسا کہ میں نے عرض کیا، مصر دوسری صدی میں مالکی علماء کے ممتاز افراد کا ایک مرکزی مقام بنا ہوا تھا، چند ہی دنوں میں ابن قاسم، اشہب، عبداللہ بن عبدالحکم جیسے جلیل القدر ائمہ جن میں بعض ایک دوسرے کے معاصر تھے، اس ملک میں پیدا ہوئے۔ ان میں اکثر امام مالک کے تلامذہ تھے یا ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ ان میں ہر ایک نے امام مالک کے مجتہدات واستنباطی مسائل وتفریعات کے ساتھ ساتھ خود بھی زندگی کے ہر شعبہ میں جزئیات کا ایک بحر بیکراں پیدا کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ ہمیشہ ایسے مواقع میں ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث وآثار صحابہ جو اسلامی قوانین کے حقیقی منابع اور سرچشمے ہیں ان سے لوگوں کی توجہ بتدریج ہٹتے ہوئے، اب قال ابن قاسم، قال اشہب، الیہ ذھب سحنون، بہ اخذ اصبغ، یہی علم رہ گیا اور ان ہی کے اقوال سے جزئیات کا پیدا کرنا یہ اجتہاد قرار پایا۔ مالکیوں کے مذکورہ بالا علماء میں سے تقریباً سب ہی اصحاب تصنیف وتالیف ہیں اور ہر ایک تصنیفی ذخیروں کی تعداد ہزار ہا صفحات سے متجاوز تھیں، جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔ صرف ابن قاسم کی مدونہ جو مطبوعہ ہو چکی ہے ان لوگوں کے تصنیفی ذوق وشوق کے اندازہ کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ ان میں زیادہ تر امام مالک ہی کے اجتہادات درج کئے گئے تھے، ملک کی ضرورت کے سوا نئی نئی موشگافیوں پر ان بزرگوں کو ایک اور چیز بھی تھی جو آمادہ کرتی تھی۔ وہ علم کی وہی خصوصیت ہے جس سے اہل علم کا شاید ہی کوئی طبقہ کسی زمانہ میں محفوظ رہا ہو۔

امام اشہب اورامام ابن قاسم دونوں کاامام مالک کے ارشد ترین تلامذہ میں شمار ہے۔تقوی وطہارت ،زھد وعبادت میں ہرایک بلند مقامات کے مالک تھےلیکن ابن خلکان نے لکھا ہے:

کانت المنافسۃ بینہ وبین ابن القاسم (ص۸۷ج۱) ترجمہ:ابن قاسم اوران کے درمیان رقابت تھی۔

ان علمی رقابتوں اور معاصرانہ چشمکوں کا یہی نتیجہ تھا کہ ہرایک اپنے حلقہ ہائے درس میں نئے نئے پیچیدہ سوالات پیدا کرتااورشاگردوں کوحکم دیاجاتا کہ ذرااان کے جوابات ان دوسرے عالم صاحب سے توپوچھ کرآؤیاخودبخود لوگ ان سوالات کودوسرے علماء تک پہونچاتے۔اختلاف طبائع ومعلومات اوردوسرے اسباب کے بناء پر بسااوقات جوابات مختلف ہوتے،اوربالآخریہی اختلاف مباحث کے ایک طویل سلسلہ کاسبب بن جاتااورعلماء کایہ قصہ توابتک جاری ہے۔غالباجاری رہے گا۔بہرحال مصربھی اسی حال میں مبتلاتھا۔ہرطرف فقہ مالکی کے ماہرین پھیلے ہوئے تھےاوران کازیادہ وقت ان ہی فقہی جزئیات اورتفریعات کےحل کرنے میں بسرہورہاتھا کہ ٹھیک ان ہی دونوں میں حق تعالی نے سرزمین حجاز میں ایک نئے دل ودماغ کے آدمی کوعلمی بلندی عطا کی۔یوں تواسلامی ممالک کاگوشہ گوشہ اہل علم سے بھراہواتھالیکن اس نوجوان عالم کوعلاوہ دماغی اورذہنی خصوصیتوں کے ایک قدرتی خصوصیت یہ حاصل تھی کہ ان کانسبی تعلق قبیلہ قریش اورقریش میں بھی اس خانوادہ سے تھاجس کاسلسلہ کئی پشتوں کے بعدسرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم سےمل جاتاتھا۔میری مرادحضرت امام شافعی رحمۃ اللہ سے ہے۔

مصراورامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

جن کاپورا نام ابوعبداللہ محمد(۱)بن ادریس(۲)بن عباس(۳)بن عثمان(۴)بن شافع(۵)بن السائب(۶)بن عبید(۷)بن عبدیزید(۸)بن ہاشم(۹)بن المطلب(۱۰)بن عبدمناف ہے۔یعنی دسویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کانسب متصل ہوجاتاہے۔امام شافعی کہاں پیداہوئے،ان میں توبہت کچھ اختلاف ہے۔عموماغزہ(فلسطین)کوترجیح دی جاتی ہے۔تاہم اتنایقین ہے کہ دوہی سال کی عمر میں وہ مکہ پہونچادیئے گئے۔یہیں قرآن یادکیااوربالآخرتحصیل علم کے لئے حضرت امام مالک کے پاس مدینہ منورہ حاضرہوئے اورایک زمانہ ان کی خدمت میں گذارا۔طلب علم کی یہ پہلی مثال تھی کہ پڑھنے سے پہلے امام شافعی نے امام مالک کی کتاب موطازبانی یادکرلی تھی۔جب پڑھنے کے لئے امام مالک کے پاس حاضرہوئے۔انھوں نے کتاب کھولنے کاحکم دیا،بولے زبانی سناتاہوں۔کہاجاتاہے کہ امام شافعی کےاس رنگ

کو دیکھ کر امام نے اس وقت بھانپ لیا کہ یہ لڑکا کچھ ہونے والا ہے، بولے ان یک احد یفلح فھذا الغلام (اگر کوئی کامیاب ہوسکتا ہے تو یہ وہی لڑکا ہے) اس کے سواء بھی امام شافعی دوسرے علماء فقہ وحدیث کے حلقہ ہائے درس میں بھی حاضر ہوتے رہے، بالآخر استاد (مالک الامام) کی وفات کے پندرہ سولہ سال بعد یہ مستقل طور پر قیام کرنے اور اپنے خاص نقطہ نظر جو اس عرصہ میں مختلف اساتذہ اور ملک کے عام حالات کے دیکھنے سے ان میں پیدا ہوئے تھے، اس کی اشاعت کے لئے اسلامی پائے تخت بغداد پہونچے، بغداد میں اس وقت حنفی فقہاء کا طوطی بول رہا تھا کیونکہ یہ وہی زمانہ ہے جب ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسفؒ کو محکمہ عدالت کے کلی اختیارات اس طور پر سپرد کردیئے تھے کہ ممالک محروسہ میں کسی قاضی کا تقرر بغیر ان کی مرضی اور حکم کے نہ ہوگا، علامہ تیمور پاشا مصری لکھتے ہیں:

لما قام هارون الرشيد فى الخلافه ولى القضاء الى ابى يوسف صاحب ابى حنيفه بعد سنةسبعين ومائة فاصبحت تولية القضاء بيده فلم يكن يولى ببلادالعراق وخراسان والشام ومصر الى اقصى عمل افريقه الامن اشاربه.....

ترجمہ: جب ہارون رشید منصب خلافت پر فائز ہوا تو حضرت ابو یوسفؒ کو جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں ۱۷۰ھ کے بعد منصب قضاءت پر فائز کیا اور اس منصب کو آپ کے حوالے کیا کہ ملک عراق ملک خراسان ملک شام ومصر سے لے کر افریقہ کے آخری کنارہ تک آپ کے مشورہ کے بغیر قاضی نہیں بنایا جاتا تھا۔

اس کے بعد ظاہر ہے کہ عباسی حکومت کے تمام عراقی محکموں پر حنفی فقہاء کا تسلط ایک قدرتی بات تھی اور یہ تو فقہ کا حال، باقی علم حدیث سو بغداد اس زمانہ میں بڑے بڑے ممتاز محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین جیسے بزرگوں سے معمور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امام شافعی نے اپنا نقطہ نظر جب بغداد میں پیش کیا تو اور تو اور حدیث کے سب سے بڑے امام احمد بن حنبل کو بھی ابتداء ان کا طریقہ پسند نہ آیا، ابن خلکان نے یحیی بن معین کا قول نقل کیا ہے:

كان احمد بن حنبل ينهانا عن الشافعي (ص ۴۴۷ ج ۱) امام احمد بن حنبل ہم کو امام شافعی سے روکتے تھے

اسی لئے دو سال قیام کرنے کے بعد پھر مکہ معظمہ واپس ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لئے انھوں نے وہاں کوئی گنجائش نہ پائی، لیکن اصلاح کا جو جذبہ ان میں متلاطم تھا اس نے پھر دوبارہ قسمت آزمائی پر آمادہ کیا اور پھر بغداد آئے۔ اب کے انھوں نے اپنے خیالات کو کتاب کی شکل میں قلم بند کرنا شروع کیا۔ خیال گزرتا ہے کہ تحریر کے ذریعہ سے اپنے منشاء کی تعبیر میں وہ کامیاب ہوئے حتی کہ خود امام احمد بن حنبل

بھی ان کے انتہائی نیازمندوں میں شامل ہوگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ احترام کی آخری شکل یہ تھی کہ بغداد کی سڑکوں پر علانیہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے خچر کے پیچھے پیچھے تشریف لے جاتے۔

مگر باوجود اس کے بغداد کا میدان ان کو پھر بھی تنگ ہی نظر آیا اور وہ کسی ایسے مرکز کی تلاش میں تھے جہاں اسے تک اسلامی علوم پر مجتہدانہ کام نہ ہوا تھا۔ میں عرض کر چکا ہوں، اسلامی ممالک میں یہ خصوصیت صرف مصر کو حاصل تھی کہ اب تک وہ بیرونی علماء کا دینی اور قانونی زندگی میں دست نگر تھا۔ امام کی عمر اس وقت جب مصر کی طرف روانہ ہوئے، کل ۳۸ سال کی تھی، اس سرزمین کے لئے خدا نے ان کو پیدا کیا تھا اور مسلسل (۲۰) سال تک اس ملک میں اپنے خصوصی نظریات اور مجتہدات کی اشاعت درسا وتصنیفا فرماتے رہے اور مصر ہی کی سرزمین میں بالآخر آسودہ ہوئے۔

امام شافعی کا خاص نقطہ نظر کیا تھا؟ اس کا جواب اتنا آسان نہیں ہے کہ کسی مختصر مقالہ کے تمہیدی بیان میں اس کی تفصیل کی جائے۔ تاہم جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ مصر ہو یا بغداد، مدینہ منورہ ہو یا مکہ۔ ان تمام مرکزی مقامات میں دو ہی قسم کے علمی حلقے پائے جاتے تھے۔ ایک حلقہ فقہاء کا تھا اور انھیں کا اثر ملک اور حکومت پر زیادہ تھا کہ دینی زندگی کے لئے عوام کو اور قانونی ضرورتوں کے لئے حکومت کو ظاہر ہے کہ ان ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور ان کا مشغلہ بھی تھا کہ اپنے اپنے اساتذہ اور ائمہ کے اقوال کو اصل قرار دے کر نئے حوادث وواقعات کے متعلق جزئیات پر جزئیات نکالتے چلے جاتے تھے۔ ہر پچھلا اپنے پہلوں کے قول کو بطور حجت اور دلیل کے اور کیسی دلیل جو شک وشبہ سے بالاتر خیال کی جاتی ہے استعمال کر رہا تھا۔

اور دوسرا طبقہ محدثین کا تھا جو سندوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال نقل کیا کرتا تھا، ان کی توجہ متن سے زیادہ اسناد کی طرف مبذول رہتی تھی۔ امام الشعبی جیسے محدثین خود کہا کرتے تھے: انا لسنا بالفقهاء، ولكنا سمعنا الحديث فرويناه (تذکرہ الحفاظ ص ۷۹ ذھبی)

ترجمہ: ہم فقہاء نہیں ہیں لیکن ہم نے حدیث شریف سن کر فقہاء کے لئے روایت کی۔ گو ان بزرگوں کا احترام بھی ملک میں سب ہی کرتے تھے لیکن نہ پبلک کی کوئی ضرورت ان سے وابستہ تھی اور نہ حکومت کی۔ یہی حال تھا جس میں امام شافعی نے اسلامی ممالک کو پایا۔ ان کو خدا نے حدیث کے ذخیروں کے حاصل کرنے کا بھی کافی موقع دیا تھا اور فقہاء کے حلقوں میں بھی انھوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ گذارا تھا۔ فقہاء کا قرآن وحدیث سے عملا بے

توجہ ہوکر صرف اپنے اساتذہ اور ائمہ کے اقوال میں ہمہ تن غرق ہوجانا اور محدثین کا حدیثوں کے متن سے بے پرواہ ہوکر صرف سند کے قصوں میں الجھے رہنا، یہ دونوں باتیں ان کو ناپسند ہوئیں۔ انہوں نے ایک راہ یہ نکالی کہ حوادث وواقعات کے سلسلہ میں بجائے اپنے استادوں کے اقوال کے کیوں نہیں براہ راست قرآن وحدیث ہی کے متون میں غور کرکے نتیجہ حاصل کیا جائے اور ڈیڑھ صدی کے اس عرصہ میں جہت سے لوگوں کے اقوال واعمال نے مسلمانوں میں اتنی اہمیت حاصل کرلی ہے کہ خواہ قرآن کی آیت سنائی جائے یا صحیح حدیث، لیکن چونکہ وہ کسی گزرے ہوئے بزرگ کا قول ہے، اس لیے کوئی اس سے ہٹنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا، بے شمار جزئیات اور لامحدود مسائل کے متعلق ممکنہ حد تک قرآن کی آیت یا صحیح حدیث پیش کرنے کی کوشش کرنا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن امام نے کمر ہمت چست کی اور جہاں تک ممکن ہوسکا قرآنی آیات اور حدیث کے ذخیروں سے انھوں نے نفع اٹھانا شروع کیا۔ ان کے اس طرز عمل نے سب سے پہلا انقلابی اثر جو پیدا کیا وہ یہ تھا کہ حضرات محدثین جواب تک ملک میں صرف ایک مقدس تبرک کی حیثیت رکھتے تھے، اچانک ان کا علم کارآمد اور نتیجہ خیز ہوگیا۔ اسی لئے امام شافعی کی کوششوں کا خلاصہ امام زعفرانی نے یہ بیان کیا ہے کہ:

کان اصحاب الحدیث رقودا حتی جاء الشافعی فایقظهم فیقظوا (ابن خلکان ص ۴۴۷)

ترجمہ: اصحاب حدیث سوئے ہوئے تھے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آئے اور ان کو جگائے، تو وہ جاگے۔

اور اب ان کو اپنی محنتوں کا ثمرہ ملنے لگا، غالبا امام احمد بن حنبل امام شافعی سے شروع میں اس لئے بدگمان ہوئے ہوں گے کہ بزرگوں کے اقوال پر وہ اعتماد نہیں کرتے، لیکن ان کی تحریروں کو پڑھ کر جب ان کو محسوس ہوا کہ یہ تو حدیث کی قیمت پیدا کررہا ہے تو بدگمانی جاتی رہی اور ان کے بڑے زبردست حامیوں میں ہوگئے۔

اسی اصول کو لے کر امام شافعی مصر پہونچے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مصر پر مالکیوں کا اقتدار قائم تھا، درمیان میں ایک حنفی فقیہ اسمعیل آئے بھی تو پبلک نے ان کو ناپسند کیا اور باوجود دیانت پر بھروسہ کرنے کے ان کے قیاسی طریقہ کو مصریوں نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ فقہ حنفی کے متعلق یہ وہ بدگمانی ہے جس میں تقریبا ہر وہ شخص شروع میں مبتلا ہوجاتا ہے جس کی امام کے اصول اور ان کی نظر کی گہرائیوں تک رسائی نہیں ہوتی جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ مصری بھی اس بدگمانی کے شکار ہوئے اور مدت تک مصری سوءظن کے اس مرض میں گرفتار رہے۔

اسی لئے امام شافعی جب مصر پہونچے تو ان کا مقابلہ براہ راست جن لوگوں سے پیش آیا وہ ان کے استاد امام مالک

ہی کے تلامذہ اور متبعین تھے۔امام مالک کے فقہ کا بڑا حصہ مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ اور اہل مدینہ کے عمل پر مبنی تھا۔یا یوں کہئے کہ مدینہ کے عملی رسم ورواج کو اپنے فتوؤں میں امام مالک بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔مالکی علماء اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے نہ چنداں قرآنی آیت پیش کرنے کی ضرورت سمجھتے تھے اور نہ صحیح حدیث کی۔فقہاء مدینہ کے اقوال ثبوت کے لئے کافی خیال کئے جاتے تھے۔بھلا ان لوگوں کے سامنے امام شافعی کا یہ اعلان کہ صرف تبع تابعین یا تابعین ہی نہیں بلکہ صحابی بھی معصوم نہ تھے اس لئے ''معصوم قانون،، کے لئے ''معصوم اساس،، کی ضرورت ہے وہ کتاب وسنت کی سوا اور دوسری چیز کیسے ہوسکتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی صحابہ تک کے متعلق امام شافعی ''نحن رجال وہم رجال،، کہہ اٹھتے تھے۔ان کے اس طرز عمل سے ملک میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔اور تو اور ان کے استاد بھائی اشھب جو امام شافعی سے پہلے مصر کے علمی حلقوں کے سب سے بڑے امام تھے اور جن کے متعلق ''فقیہ،، ہونے کی حیثیت سے امام شافعی تک یہ تصدیق کرتے تھے کہ:ما اخرجت مصر افقه من اشهب لو لا طيش فيه،(حسن المحاضره ص ۱۲۲ ج ۱)

ترجمہ:شہر مصر نے اشھب سے بڑھ کر کسی فقیہ کو پیدا نہیں کیا اگر ان میں طیش نہ ہوتا۔

لیکن ''اشھب،، کے طیش کا حال امام شافعی کے مقابلہ میں بالآخر یہاں تک پہونچا کہ علمی نوک جھونک سے گذر کر،کہا جاتا ہے،جیسا کہ ان کے دوسرے رفیق درس عبد اللہ ابن الحکم کا بیان ہے کہ:

سمعت اشهب يدعو على الشافعي بالموت(ص ۸۷ ج ۱ ابن خلكان)

ترجمہ:میں حضرت اشھب کو سنا ہوں وہ امام شافعی پر موت کی بددعا کرتے تھے۔

امام شافعی کو بھی ان کے اس بددعا کی خبر پہونچی،تو یہ شعر پڑھنے لگے:

تمنى رجال ان اَموتَ وان مِتُّ فتِلكَ سبيل لستُ فيها باوحد

ترجمہ: کچھ لوگ میری موت کی تمنا کرتے ہیں اگر میں مرجاؤں تو اس راستہ میں میں تنہا نہیں ہوں۔

لیکن جس مصر کو حنفی فقہ سے اس لئے متنفر کیا گیا تھا کہ اس میں ''سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داؤ پیچ کیا جاتا ہے،،اب اسی سنت رسول علیہ السلام کا نام لے کر سمجھایا جاتا تھا کہ معصوم کے مقابلہ میں غیر معصوم ہستیوں کا قول وفعل کیسے حجت ہوسکتا ہے۔مالکی فقہاء نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن ''امام اشھب،، کے مذکورہ بالا طرز عمل ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ کوسنے پر اتر آئے تو مقابلہ کے لئے میدان میں کیا ٹھہر سکتے تھے۔آخر یہ ہوا کہ مصریوں پر دن بدن حضرت امام شافعی کا اقتدار بڑھنے لگا اور آخر میں انتہا یہ ہوگئی کہ اشھب اور ابن وھب

جیسے مالکی آئمہ واساطین کے سب سے بڑے چہیتے شاگرد محمد بن عبداللہ ابن الحکم نے مالکی طریقہ اجتہاد کو ترک کر کے امام شافعی کے مسلک کو اختیار کرلیا اور ان کے حلقہ تلامذہ میں شریک ہوگئے۔ محمد بن الحکم جن کے متعلق السیوطی نے لکھا ہے کہ ''کان افقہ زمانہ، ،ان کا مالکی مذہب ترک کر کے امام شافعی کے حلقہ درس میں شریک ہوجانا یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ سارا مصر بلکہ افریقہ میں ایک شور برپا ہوگیا۔ پھر کیا تھا جوق در جوق ہر طرف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر امام شافعی کے درس میں حاضر ہونے لگے اور اس سلسلہ میں بعض ایسے شاگرد بھی امام شافعی کو ملے جنھوں نے اپنی ساری زندگی ان کے پروگراموں کی تکمیل کے لئے وقف کردی۔ جن میں البویطی ،ابویعقوب یوسف بن یحیی اور ربیع بن سلیمان المؤذن، حرملہ وغیرہ بزرگوں کے علاوہ المزنی ابوابراھیم اسمعیل بن یحیی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں البویطی تو امام شافعی کی وصیت کے مطابق امام کی وفات کے بعد ان کے حلقہ درس کے خلیفہ مقرر ہوئے اور ربیع نے ان کے تصنیفی ذخیروں کی تدوین وترتیب میں بڑا کام کیا بلکہ سچ یہ ہے کہ بغداد میں جو کام امام سے جیسا کہ وہ چاہتے تھے نہ بن پڑا تھا، ان ہی شاگردوں کی بدولت اس کام کی تکمیل انھوں نے مصر میں فرمائی۔ اپنے تمام قدیم مجتہدات پر انھوں نے نظر ثانی کی اور کتاب الام ان کی مشہور مطبوعہ کتاب کے سوا ''الامالی الکبری، ،الاملا الصغیر، ،مصر ہی میں مرتب فرمائی۔ یہیں انہوں نے اپنا مشہور ''الرسالہ، ،لکھا جو آج ہزار سال سے زیادہ مدت کے بعد اصول فقہ میں اپنی آپ نظیر ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس فن کی یہی پہلی کتاب ہے۔ ان شاگردوں سے امام کو جو خاص تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مذکورہ بالا بزرگوں میں سے ہر ایک کے نام سے غالبا ان کے پڑھنے کے لئے آپ نے خاص کتابیں تصنیف فرمائیں جو مختصر البویطی ،مختصر الربیع ،مختصر المزنی کے نام سے مشہور ہیں۔

امام شافعی کو مصر میں اتنی مقبولیت کیوں حاصل ہوئی، اس کی ایک خاص جذبہ کو بھی تھوڑا بہت ضرور دخل ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کی تدوین کا آغاز ہوا، عرب کے خاندانی افراد مثلا قریش اور قریش کے مختلف خانوادے کے لوگ عموما سیاسی مشاغل اور حکومتی قصوں میں الجھے رہے، عام پبلک بھی اور حکومت بھی اسلام کی ایسی تفصیلی شکل کا مطالبہ کر رہی تھی جو زندگی کے تمام شعبوں اور ہر شعبہ کی تمام شاخوں پر عملا منطبق ہوسکے۔ یہ ایک موقع تھا جس سے ملک کے ان خاندانوں نے نفع اٹھالیا جن کا حکومت سے تعلق نہ تھا اور اسی لئے فقہ ہو یا حدیث یا تجوید وقراۃ ان تمام علوم کے آئمہ وماہرین کا تعلق زیادہ تر موالی یا ایسے خاندانوں سے ہے جنھیں ملک میں سیاسی حیثیت سے کوئی اہمیت نہ تھی۔ (جاری ہے)

☆ مگس جابی نخواہد رفت بجز دکان حلوایی ☆